Bi-Annual URDU ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر غلام عباس ❁

اردو تنقید میں روایت کے مباحث اور محمد حسن عسکری

Discussion on narration in Urdu Critisism and Muhammad Hassan Askari

By *Dr. Ghulam Abbas, Asst. Prof. Urdu, Govt. Graduate College, Taunsa, Dera Ghazi Khan.*

Abstracts

Muhammad Hassan Askari started the discussion on narration in Urdu criticism. Certainly Askari is the most competent and readable scholar. In literary criticism, he is attention seeker and has a distinct place. In This article *The Discussion on Narration in Urdu Criticism and Muhammad Hassan Askari* have been evaluated. Hassan Askari believes that without understanding the narration, literature is unintelligible and the West has failed to understand narration. He also rejects TS Eliot's conception of narration because narrations are associated with the metaphysics to which the West remained ignorant. However he agrees to the conceptions of French scholar Rhene Gaino. Askari's conception of narration was widely discussed not only in his life but also after his death. So, Askari's conception of narration was critically discussed keeping in mind all of its pros and cons.The most famous critics of Askari's conception include Shams ur Rehman Farooqi, Siraj Muneer, Saleem Ahmad, Jamal Pani Pati, Mumtaz Hussain, Muhammad Ali Sadiqui, Muhammad Irshad and Professor Muhammad Usman.

Keywords: Criticism, literature, narrative.

❁ اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، تونسہ، ڈیرہ غازی خان

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

محمد حسن عسکری (۵ر نومبر ۱۹۱۹ء تا ۱۸ر جنوری ۱۹۷۸ء) اردو ادبیات کے انتہائی اہم اور لائق توجہ ادیب ہیں۔ بلاشبہ اردو تنقید ان کی پہچان ہے۔ اُنھوں نے نقد ادب میں نمایاں کارنامے سر انجام دیے اور تنقید کا رخ متعین کیا۔ اُنھیں رجحان ساز تنقید نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ تنقید کے نظریاتی مباحث: اردو کی ادبی روایت، مشرق اور مغرب کی آویزش، جدیدیت اور مغرب کی گمراہیاں جیسے مباحث پر اپنا مخصوص نقطۂ نظر پیش کیا، اور اس بھرپور طور سے کیا کہ اس کی بازگشت تمام ادبی حلقوں میں گونجی اور اب تک گونج رہی ہے۔ ان سے اختلاف کیجیے: اتفاق کیجیے مگر انھیں نظر انداز قطعاً نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اپنے مخصوص ذہنی اپج کی بنا پر وہ ہر دور کے معاصر نقاد کے طور پر جانے گئے ہیں۔ اردو تنقید پر غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے عسکری صاحب کی تنقید بیسویں صدی کے اردو ادب میں گہرے علمی انہماک اور غیر معمولی تنقیدی بصیرت کی نادر مثالیں فراہم کرتی ہے۔ ان کی تنقید کے موضوعات کا پھیلاؤ دیدنی ہے۔

روایت کے متعلق جب عسکری صاحب کے خیالات دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ مغرب کے تصور روایت کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں اور اپنا مشرقی روایت کا تصور پیش کرتے ہیں لیکن اس کی بنیاد بھی وہ ایک مغربی مفکر لارنس کے ذیل کے نکات پر رکھتے ہیں۔[1]

(۱) اول مشرق تو مغربی ادب کو جذب کرلے پھر اپنا راستہ خود ڈھونڈے۔

(۲) مغرب کا نیا جان دار ادب انسان اور خدا کے باہمی رشتے کے بارے میں پیدا ہو گا۔

(۳) اور یوں مغرب پھر مشرق کی طرف واپس لوٹے گا جسے آپ مشرق کی بازیافت بھی کہہ سکتے ہیں۔

عسکری نے بھی یہی مذکورہ بالا تین نکات سے کام لیا ہے آپ پہلے مغربی ادب کو بڑے غور و خوض سے زیر مطالعہ رکھتے ہیں وہاں سے ایک فرانسیسی ادیب رینے گیہ وں سے اتنی شدت سے متاثر ہوئے ہیں کہ گیہ وں کے تصورات کو ہی حقیقی روایت کے تصورات قرار دیتے ہیں جب کہ باقی مغرب کو روحانی طور پر پست سمجھتے ہیں؛ یہاں مغرب سے مراد جدید مغربی تہذیب ہے۔ جسے عسکری پستی کا حامل گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عہد جدید سے قبل تو مغرب سمیت پوری انسانیت کا اجتماعی سفر پستی سے بلندی کی طرف مائل تھا لیکن جوں ہی مغرب نے اپنا رشتہ ماضی کی روایت سے توڑنا شروع کیا اور مادیت کا غلبہ اس پر حاوی ہو گیا تو وہ روحانی پستی کا شکار ہوا۔

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

عسکری صاحب کا خیال ہے کہ اگر ہم نشاۃ ثانیہ کے بعد سے مغربی تہذیب کی ان ساری تبدیلیوں کو اپنے یعنی مشرقی نقطہ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ جب سے انھوں نے مادی دنیا اور انسان کو اہم ترین حقیقت سمجھنا شروع کیا تو اس وجہ سے بہ لحاظ مدارجِ حقیقت مغربی تہذیب نیچے گرتی چلی گئی اور بالآخر غیر نامیاتی مادے تک پہنچ کے اپنے دو خدا مطلب انسان اور حیات کو بھی مسترد کر چکی ہے۔ اسی طرح اگر ہم مشرقی تصور کو توہم پرستی سمجھتے بھی ہیں تو اسے تنزلی کیوں کہیں اسے بھی ہم ترقی کہہ لیں۔ جیسے مغربی تہذیب کے کبائر علمانے اپنے معاشرے کی ہر بڑی تبدیلی کا خلاصہ بھی کچھ ایسے ہی پیش کیا۔ عسکری صاحب اس کی مثال کے لیے انیسویں صدی کے آخر میں [illegible]ے کے اس اعلان کو کہ ''خدا مر گیا'' پیش کیا۔ ۱۹۲۵ء کے قریب ڈی ایچ لارنس کا یہ اعلان کہ ''انسانی تعلقات کا ادب مر گیا'' بھی اس کی ایک مثال ہے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد مالرو کا اعلان بھی اس کی ایک اور گواہی ہے کہ جب اس نے کہا کہ ''انسان مر گیا'' مغربی تہذیب کی ترقی یا تنزلی ان اعلانات کے بعد بڑی واضح ہے لیکن عسکری صاحب کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑیے اب آیئے اپنے ادب کے مسئلے پر تو اس کا قطعی فیصلہ دیتے ہوئے عسکری صاحب کہتے ہیں:

> حقیقت کے مشرقی تصور کو قائم رکھے بغیر ادب کی مشرقی روایت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ہم حقیقت کا مغربی تصور شعوری یا غیر شعوری ارادی غیر ارادی طور پر قبول کر لیں گے تو ہمارا ادب بھی مغربی انداز کا ہو جائے گا اور ذوق شاعری کو مستقل چیز سمجھ کے یہ کہنا بھی زیادہ صحیح نہیں کہ مشرقی ادب پر مغربی ادب کے معیار عائد نہیں ہوتے۔ مغرب میں عقل، جذبہ، حیات، لاشعور وغیرہ عناصر کو سامنے رکھ کے الگ الگ ادبی نظریے بنا دیے گئے ہیں مگر یہ سب عناصر حقیقت کے چند درجات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس لیے مغرب کا ہر ادبی نظریہ ایک محدود اور مخصوص دائرے میں مشرقی ادب پر بھی عائد ہو سکتا ہے۔ بس فرق صرف اتنا پڑے گا کہ مشرق کا بہت سا ادب ہر مرتبہ اس دائرے کے باہر رہ جائے گا اور مختلف ادبی عناصر کی وہ قدر و قیمت باقی نہ رہے گی جو پرانے مشرق میں تھی۔ اگر ہم حقیقت کا مغربی تصور کو قبول کر لیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر تو مغرب کے ادبی نظریے ہمارے لیے بھی اتنا ہی تسلی بخش ثابت ہوں گے جتنے مغرب کے لیے ہیں۔ اگر ہم نے حقیقت کا مشرقی تصور چھوڑا اور مغربی تصور کو قبول کیا تو

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ادب میں اس کا صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ ہمارا ادب مغربی ادب کا ضمیمہ بن جائے گا
اس سے مفر کی صورت نہیں۔[۲]

محمد حسن عسکری صاحب کا کہنا ہے کہ مغرب تو روایت کا مفہوم سمجھ ہی نہیں پایا اور پورا مغرب ہی روایت کے کسی واضح تصور سے نابلد ہے۔ مغرب میں کوئی روایت کو کامیاب تجربوں کا ماحصل سے آگے کچھ نہیں سمجھتا تو کوئی کہتا ہے کہ روایت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ یہ نشو و نما پا کر خود کو تنومند کرتی ہے جسے ہم کسی وقت بھی تخلیق کر سکتے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ ہر فن کی روایت الگ ہوتی ہے۔ جب کہ دوسرا خیال کچھ یوں بھی ہے کہ روایت کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب سمجھتا ہے کہ "روایت بذات خود تو کوئی شئے نہ ہے؛ اور نہ ہی اس کی کوئی مستقل حیثیت ہے؛ ہاں جو ادب پارہ جیسے ہی کچھ پرانا ہوتا گیا اس کو ہی روایت کہتے جائیں۔"[۳] البتہ ایلیٹ صاحب کو ضرور دعویٰ ہے کہ وہ روایت کے درست تصور کو سمجھتے ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے اردو کی تنقید میں روایت کا چرچا بھی بہت ہو رہا ہے تو اس پر عسکری نے وضاحت سے کچھ باتیں کی ہیں۔ اگرچہ وہ مغرب میں لکھنے والے لوگوں کی باتوں کو سطحی ہی سمجھتے ہیں۔ "مغرب کے لوگ اپنے ادب اور تہذیب کے بارے میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ کتنا سطحی ہے خواہ لکھنے والے ٹی ایس ایلیٹ ہی ہوں۔"[۴] ایلیٹ چوں کہ مذہباً رومن کیتھلک ہیں اور تاریخی شعور پر بہت زور دیتے ہیں یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ آدمی کو زمانیت اور لازمانیت دونوں کا احساس الگ الگ بھی ہو اور بیک وقت بھی۔ لہٰذا ایلیٹ ایسے شعور رکھنے والے آدمی کو روایتی کہتے ہیں۔

روایت کے متعلق بات کرتے ہوئے ایلیٹ صاحب کہتے ہیں کہ ادب کا سب سے مقدم اور بنیادی مقصد ایک مخصوص قسم کی ذہنی اور پر لطف لذت مہیا کرنا ہے۔ دوسرا ایلیٹ صاحب کا تصور ہے کہ لوگ ادب کو محض اپنے مزاج کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے ہر نئی نسل کا اپنا ایک الگ یا نیا نقطہ نظر ہوتا ہے جب کہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ واضح ادبی معیار ہونے کے لیے اولاً اخلاقی معیاروں کا وجود ہونا بھی ضروری ہے۔ تو اس پر عسکری سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا ہم مزاج اور اخلاقی معیاروں کو ایک شئے سمجھ سکتے ہیں؟ کیا یہ اخلاقی معیارات اپنی ذات میں مستقل بالذات قائم رہ سکتے ہیں یا ان میں تبدیلی ممکن ہے؟ اور پھر ایک بڑا سوال یہ بھی کہ یہ آتے کہاں سے ہیں؟ ان سوالوں کے جواب عسکری صاحب کو ایلیٹ صاحب کے ہاں سے نہیں ملتے۔ اور پھر یوں تو ڈانٹے صاحب کو پسند کرنے والے ہیں لیکن خود وہ ڈانٹے صاحب کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ ایلیٹ صاحب کے مطابق روایت بدل جانے کی صلاحیت رکھتی ہے؛ دوسرا روایت کو سمجھنے کے لیے نئے علوم سے واقفیت کو بھی

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ روایت کا دارو مدار عقائد پر نہیں ہے ہاں روایت کی تشکیل کے دوران عقائد زندہ صورت اختیار ضرور کرتے ہیں۔ اس پر عسکری صاحب کا کہنا ہے کہ دراصل یہ بات یوروپ سمجھ ہی نہیں پایا کہ عقیدہ ہے کیا چیز؟

روایت کی تعریف میں ایلیٹ صاحب کا فرمانا ہے کہ "روایت تمام مذہبی رسوم حتیٰ کہ سلام دعا کے طریقہ ہائے کار تک ان تمام افعال کا مجموعہ ہوتا ہے جو کسی مخصوص علاقے یا جگہ میں رہائش پذیر اس مخصوص نسل کے عوام کے لیے معمول بن گئے ہیں۔"[۵] اس کا مطلب ہے کہ ایلیٹ صاحب بھی روایت کو عادت کے مفہوم میں لیتے ہیں بس۔ لیکن عسکری صاحب کا کہنا ہے کہ عادت بڑی کمزور چیز ہے۔ عادت کو زندہ رکھنے پر اتنا زور کیسے دیا جا سکتا ہے۔ عسکری صاحب فرماتے ہیں کہ ایلیٹ کی کمزوری یہ ہے کہ انھیں مذہب بھی پسند ہے اور ڈارون بھی لہٰذا انھوں نے روایت کے متعلق شور مچا کے مسئلے کو سلجھانے کے بجائے الجھا دیا ہے۔ اور یہ قول اس کے ایک دوست وِنڈہم لوئس کے ایلیٹ نے اس مسئلے کو مہمل بنا دیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ اب روایت کا لفظ فیشن کے طور پر ادب میں شامل ہو گیا ہے۔ اور روایت کی تعریف تو ہر آدمی کرتا ہے لیکن مغرب کا فی زمانہ عالم یہ ہے کہ ہر شخص روایت کا اپنا الگ نظریہ قائم کیا ہوا ہے اور یوں یہ لفظ میں اپنے معنیٰ و مفہوم کھو چکا ہے۔

ایزرا پاؤنڈ کو عسکری صاحب آج کل کے زمانے کا ایک بڑا شاعر مانتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ اس کے دماغ میں روایت کا مفہوم واضح نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ عجب کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی عظیم نظم جس میں انھوں نے دنیا میں موجود ساری برائیاں تو شمار کرا دیں، اور جو اعلیٰ اقدار اور معیاری افعال ہیں وہ گنوا دیے لیکن نظم کے اختتام میں مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ اب ان اقدار کے لیے کوئی مضبوط بنیاد کیسے فراہم کی جائے۔ اخلاقی اقدار تو اس نے کنفیوسس سے لے لیں لیکن مابعد طبعیات کو منہ نہیں لگایا۔ اب فطرت کو بنیاد تو بنائے مگر فطرت ہے کیا چیز اس کا کوئی جواب اس کے پاس ہے ہی نہیں تو اس کا نتیجہ عسکری صاحب یوں پیش کرتے ہیں کہ روایت کا مفہوم معنیٰ کا ادراک رکھے بغیر ادب آگے نہیں بڑھ سکتا مگر مغرب کی مجبوری یہ ہے کہ روایت کا درست ادراک کرنے میں قطعی ناکام ہوا ہے۔ اس لیے یہ سوال وہیں کا وہیں ہی رہا کہ آخر روایت ہے کس بلا کا نام؟ ہاں۔ مغرب میں جس ادیب نے روایت کو ٹھیک طور پر سمجھا اور سمجھایا ہے گو کہ مغرب اس شخص کے تصور سے استفادے سے انکاری ہے۔ عسکری صاحب کی مراد "گیینے وں" سے ہے۔ گیینے وں کا کہنا ہے کہ روایتی فن و ادب تو محض روایتی معاشرے ہی میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روایتی معاشرہ ہوتا کون سا ہے؟ تو اس کے

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

جواب گیدیں وں صاحب کا کہنا ہے روایتی معاشرہ اپنی بنیاد میں مابعد الطبیعات پر قائم ہوتا ہے۔ اب مابعد الطبیعات کچھ نظریوں کا نام نہیں ہے بلکہ التوحید واحد۔ یعنی مابعد الطبیعیات محض ایک ہی ہوتی ہے اور یہی بنیادی اور حقیقی روایت ہے۔ پھر اس روایت کا تعلق کسی مخصوص نسل یا مخصوص ملک سے بھی نہیں ہوتا؛ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے اظہار کے طریقے مخصوص یا مختلف ہوسکتے ہیں اور ہندو روایت، چینی روایت یا اسلامی روایت: ان سب میں فرق ان کے طریقہ کار کے مختلف ہونے سے پیدا ہوسکتا ہے۔ برصغیر میں سمجھا جاتا ہے کہ ہندو تہذیب کے ہاں تو حیات کی رنگارنگی ملتی ہے؛ لیکن اسلامی تہذیب خشک سی ہے پر اس کو جانچنے کے لیے ہم اپنشد میں دیکھتے ہیں؛ جہاں لکھا ملتا ہے کہ انسانی وجود کے مرکز میں سورج کی روشنی ہے اور نہ ہی چاندکی اور ستاروں کی بھی نہیں بلکہ ہر شئے پرش کے نور سے روشن ہے چناں چہ ہم کہہ سکتے ہیں بنیادی روایت ہر جگہ ایک ہی رہتی ہے محض شکلیں اپنا فرق ظاہر کرتی ہیں۔[۶]

اب مابعد الطبعیات کے اس حصے پر عسکری صاحب نے بات کی جس کا تعلق ادب سے ہے۔ یعنی خدا، کائنات اور انسان کے باہمی رشتے۔ اس کے متعلق عسکری صاحب نے شاہ وہاج الدین کی چند باتیں نقل کی ہیں جس میں وہ کہتے ہیں۔[۷]

(ا) آپ وجود مطلق کو جب بلالحاظ تعینات ذکر کرتے ہیں تو وجود باری تعالیٰ ہے۔
(ب) آپ بلحاظ تناسب جب تعینات کا احساس کرتے ہیں تو اسے روحانیات مانا جاتا ہے۔
(ج) آپ بلحاظ مقاصد جب دیکھتے ہیں تب یہ مادیت کہلاتی ہے۔
(د) یوں وجود انسانی کا معنی بھی وجود مطلق بنتا ہے۔
(ر) روح انسانی کا مطلب: وہ روح جو مجموع ہے تعینات، انفس و آفاقی ہے۔
(س) تب انسان کے جسم کا مطلب خلاصہ ہے مادیات انفس و آفاق۔

اسی تصور کو عسکری صاحب روایت کی بنیاد کہتے ہیں اگر اسی تصور پر ادب کی بنیاد رکھی جائے تو وہ روایتی کہلاتا ہے بصورت دیگر روایتی نہیں ہے، چاہے الفاظ اور اسالیب وہی استعمال ہی کیوں نہ ہو رہے ہوں۔

انھی معیارات سے جب اردو ادب پر نظر کیجیے تو اس روایت میں نظیر اکبر آبادی جسے عہد حاضر کی عوامی مقبولیت کے ہوتے ہوئے ایک صدی تک ان کو ادب میں اعلیٰ مقام نہیں مل پایا تھا۔ روایتی معاشرے میں نظیر اکبر آبادی جیسے شاعروں کا بھی ایک خاص فریضہ ہے اور اس لحاظ سے ان کی قدر بھی کی گئی۔ لیکن عسکری صاحب

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کے نزدیک نظیر کی بیشتر شاعری میں آفاق کا عنصر غالب ہے اور انفس کا عنصر کم ہے اور اسی وجہ سے انھیں بڑے شاعروں میں نہیں رکھا گیا۔

دوسری مثال حالی کی ہے بہ ظاہر وہ بھی روایت کے شاعر نظر آتے ہیں مگر ان کی نعت تک دیکھ جائیے ان کے ہاں الفاظ تو روایتی استعمال ہوں گے مگر وہ مابعد الطبعیات کو چھوڑ کر اخلاقیات کا درس شامل کر رہے ہیں۔ عسکری صاحب کا کہنا ہے کہ حالی نے اردو ادب کو بہت فائدہ پہنچایا لیکن راوایت کی بات کریں تو انھوں نے اردو شاعری سے مابعد الطبعیات کو خارج کیا۔ نئے شاعروں نے اگرچہ شعوری کوشش کی ہے کہ وہ روایت سے بغاوت کریں لیکن فیض کو عموماً روایت پسند تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن عسکری کا کہنا ہے کہ فیض کے ہاں بھی شاعری اچھی ہے الفاظ بھی روایتی ہیں لیکن مابعد الطبیعات ان کی شاعری سے بھی خارج نظر آتی ہے۔ آخری بات صرف اتنی ہے کہ روایت کا مطلب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اسے چھوڑ کر روایت محفوظ رکھنے یا دوبارہ زندہ کرنے کی باتیں محض جذباتی ہیں۔ یہ کہنا کہ ارتقا ناگزیر ہے اور سب سے گراں قدر چیز بھی یہی ارتقا ہے لیکن انسان کو اپنے ماضی اپنی ہر روایت سے بھی کچھ تعلق قائم رکھنا چاہیے بجائے خود تو اس دعویٰ کو عسکری صاحب بے دلیل والا مانتے ہیں لیکن اسے جذباتی دعویٰ کے طور پر قبول کرتے ہوئے روایت کو پھر سے سمجھنے کے لیے کہتے ہیں کہ مشرق میں روایت کا تصور بڑی حد تک واضح ہے لیکن مغرب میں ہر چیز ایک تو الٹ ہے دوسرا وہاں کوئی مرکزی یا بنیادی روایت کا تصور ہی نہیں ہے۔ عسکری صاحب کہتے ہیں کہ مشرق کی تینوں بڑی تہذیبوں مسلم، ہندو اور بدھ دو چیزوں پر سب متفق نظر آتے ہیں اول یہ کہ چاہے دینی روایت ہو یا ادبی روایت حتیٰ کہ معاشرتی روایت بھی یہ سب ہرگز الگ الگ نہیں ہیں بلکہ یہ ایک بڑی و واحد روایت کے طور پر مسلمہ ہے اور ان چھوٹی چھوٹی روایتوں کو بھی اس کی ذیلی شاخوں کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے مثلاً اسلامی اصطلاح میں اس واحد اور بنیادی روایت کو ''دین'' کا نام دیا جاتا ہے اب جو کچھ بھی ثانوی روایتیں ہوں گی ان کا بنیادی روایت میں شامل ہونا ضروری ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ بنیادی روایت آتی ہی کسی آسمانی اور مقدس کتاب سے ہے۔ اب اس کے مستند نمائندوں کا قول ہی سند مانا جائے گا۔ تیسری بات کہ روایت وہ شئے ہے جو ایک شخص سے دوسرے شخص تک پہنچائی جاتی ہے۔

اب مغرب پر ایک نظر کیجیے تو وہاں ہر چیز الٹ ہو گئی ہے: ان کے ہاں کسی بنیادی یا بڑی روایت کا تصور سرے سے ہے ہی مفقود ان کے ہاں معاشرتی روایت ہو یا ادبی روایت؛ حتیٰ کہ لوگ کھیلوں کی روایت پر بھی ایسے بات کرتے ہیں جیسے یہ سب الگ الگ اور مختلف چیزیں ہیں اور اپنے الگ دائرے میں روایت بہ عمل ہوتی ہیں

اور اگر کسی کو مرکزی روایت کی ضرورت کا خیال آیا ہے تو وہ معاشرتی روایت کو بنیاد بنا کر دینی روایت کو اس معاشرتی روایت کا ایک حصہ بنا دیتا ہے؛ پھر اسے ''کلچر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اب اگر معاشرت کے دائرے میں یہ مان لیا جائے کہ روایت کا وجود یہی ہے تو اس روایت کا انحصار آسمانی کتب پر ہونا ضروری نہیں رہے گا۔ اس دائرے میں معنی و مفہوم روایت کے محض اتنے برآمد ہوں گے کہ یہ ایک رسم یا رواج ہی ہے۔ جب رواج بدلنے والی ایک چیز ہے تو کیا کسی خاص قسم کی رسم کو زندہ رکھا جانا ضروری بھی ہے: عسکری صاحب کے مطابق ہرگز نہیں۔[۸]

روایت کے باب میں اُردو تنقید میں حسن عسکری کے نظریات سے اختلاف اور اتفاق میں بہت سے اردو ناقدین سامنے آئے۔ ان سرکردہ ناقدین کے چند اہم اختلافات اور اتفاقات کو زیر بحث لانے کی کوشش کرتے ہیں سب سے پہلے ممتاز حسین صاحب کے خیالات پیش کیے جاتے ہیں ان کا ماننا ہے کہ یہ درست ہے کہ ہم روایت کی دنیا میں سانس لیتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمی روایت کی جکڑبندیوں میں گھٹ کے رہ جاتا ہے۔ اور وہ دریا سے ایک جوئے کم آب بن کر رہ جاتا ہے کیوں کہ ان کا ماننا ہے کہ زندگی ایک مسلسل عمل ہے تجدیدِ زندگی کا۔ اور اسی لیے گوئٹے نے وقت کو یزداں کا پیرہن قرار دیا ہے جسے وہ ہر صبح بدلتا رہتا ہے۔ اور ان کے نزدیک اقبال کی بھی یہی سوچ ہے۔ ممتاز حسین روایت کو قبول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک روایت کی نفی آپ کو اپنے ماضی سے جدا کر دیتی ہے اور جس کا کوئی ماضی نہیں تو اس کے مستقبل کی بھی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ ماضی کی نفی نہیں کرتے ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ روایت شکنی کو بہتر جانتے ہیں اور روایت کے انتخاب کو مفید بھی جانتے ہیں۔ وہ عسکری صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ اپنی روایت سے صرف اچھی چیزوں کو لے سکتے ہیں اور بری چیزوں کو چھوڑے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ ممتاز حسین صاحب کا روایت کے بارے کہنا ہے:

روایت کا شعور پیدا ہی تب ہوتا ہے جب اسلاف اور اخلاف، دونوں ہی کے رشتوں سے مناسبت پیدا ہو جائے۔ جب کہ معاصر زمانے کے وجودیوں کے فلسفے میں اخلاف اور اسلاف کے درمیان میں کوئی رشتہ و تعلق ہی نہیں ہے تو پھر روایت کی نفی یا ادب کی نفی کی بات ہی بے معنی ہو جاتی ہے چاہے یہ بات ان کے ایمان کا حصہ ہی کیوں نہ ہو۔ ممتاز حسین کے مطابق نفی روایت، روایت شکنی سے مختلف چیز ہے۔ روایت شکنی اضافہ روایت، تخلیق روایت کا عمل ہے اور نفی روایت نفی حیات ہے۔[۹]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

روایت کے باب میں شہزاد منظر نے بھی بعض نکات کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ ارسطو پر عسکری کے اعتراضات کو درست نہیں مانتے اور مابعد الطبیعیاتی مسائل ارسطو کے زمانے میں شاید اس طرح نہیں رہے ہوں گے جیسے آج عسکری صاحب کے دور میں ہیں۔ ایک اور اعتراض شہزاد منظر نے کیا ہے کہ تصوف اختیار کرنے کے بعد عسکری صاحب کی سخن فہمی کا معیار بہت بگڑ گیا تھا:

> یہ وہی عسکری ہیں جو اس سے قبل ادب کی مقصدیت کے شدید مخالف تھے اور آرٹ برائے آرٹ کے زبردست چیمپئن سمجھے جاتے تھے۔ وہی عسکری اب اسلامی شاعری کا فریضہ حقیقت کی معرفت حاصل کرنے میں انسان کی مدد کرنا قرار دے دیتے ہیں۔۔۔
>
> ۔۔۔ عسکری صاحب اپنے مذکورہ اسلامی نظریہ ادب کا اردو شاعری پر اطلاق کرتے ہیں تو بڑے مضحکہ خیز نتائج اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً وہ داغ کے مشہور شعر:
>
> خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
> صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
>
> کا حوالہ دیتے ہوئے دریافت کرتے ہیں۔ 'کیا اس شعر کا ظہور و اخفا کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں؟' صرف اتنا ہی نہیں وہ امیر مینائی کے اس قبیل کے شعر:
>
> وصل ہو جائے ابھی حشر میں کیا رکھا ہے
> آج کی بات کو کیوں کل پہ اٹھا رکھا ہے
>
> کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھتے ہیں، 'کیا یہ شعر رویتِ باری تعالیٰ کے مسئلے سے نہیں نکلا؟'
>
> تصوف اختیار کرنے کے بعد یہ ہے عسکری صاحب کی سخن فہمی کا عالم! جس کا ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے چہار دانگ عالم میں ڈھنڈورا پیٹ رکھا اور جنھوں نے میر اور فراق کی شاعری پر معرکہ آرا تنقیدیں لکھی ہیں۔ ان کی مضحکہ خیز سخن فہمی کی انتہا یہ ہے کہ وہ امرا کی شان میں کہے ہوئے قصائد سے بھی توحید کے مضامین نکالنے سے نہیں چوکتے۔[۲۸]

پروفیسر محمد ارشاد نے عسکری صاحب کی روایت اور جدیدیت کے حوالے سے مصنفہ کتاب " جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کا خاکہ" پر بڑے شدید اعتراض کیے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ چوں کہ بزعم خود عسکری صاحب کو یہ احساس رہا ہے کہ وہ انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانوں سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں اور ان زبانوں کے مطالعے اور

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
❄
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

پھر اردوادب میں بجائے خود ایک نام ور شخصیت ہونے کے احساس نے ان میں یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ وہ انگریزی اور فرانسیسی میں لکھی گئی ہر تحریر چاہے وہ ادب،مذہب،فلسفہ یاسائنس پر ہی کیوں نہ ہو،اس کی باریکیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔اسی اعتماد کا اثر تھا کہ انھوں نے ایک ایسے کام میں ہاتھ ڈالا جو ان کے بس کا روگ تھا ہی نہیں۔

> ... محمد حسن عسکری گرامی قدر۔جدیدیت،خواہ محمد حسن عسکری کے اپنی تحقیقات کا نچوڑ ہے یا رینے گیہ وں کی تحقیقات کا خلاصہ ہے،مغربی گمراہیوں کی تاریخ کا خاکہ،نہیں۔مسلمانوں کی تباہیوں کا نسخہ ہے جس پر اگر پوری سنجیدگی سے عمل کرایا جائے مسلمان پچاس سال کے اندر اندر وہاں پہنچ جائیں گے جہاں سے حالات موجودہ تک،جو پھر بھی غنیمت ہے،واپس آنے کے لیے بھی کم سے کم پانچ سو سال کا عرصہ درکار ہے،'جدیدیت'اسلام کی حمایت اور دفاع میں نہیں،رومن کیتھولک کلیسا کے مذہبی اور فلسفیانہ عقائد کے دفاع اور حمایت میں ہے۔اگر یہ کتاب نیک نیتی سے لکھی گئی ہے تو پھر یہ یقین کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں کہ جو کچھ حسن عسکری نے پڑھا ہے اسے ہضم نہیں کر سکے۔ان کا علم ان کی عقل سے زیادہ ہے۔[۱۱]

پروفیسر محمد ارشاد کے عسکری صاحب پر کیے گئے اعتراضات میں شدت کا عنصر پایا جاتا ہے ان کا کہنا ہے کہ عسکری صاحب نے انگریزی لغات سے فلسفہ پڑھنے کی کوشش کی ہے اور ظاہر ہے لغات کی مدد سے پڑھے جانے والے فلسفے میں یہ خرابی تو ہوتی ہی ہے کہ ایسا آدمی خوبانیوں اور شفتالوؤں میں فرق نہیں کر سکتا اور اس طرح کے کئی ایک طنزیہ جملوں سے یہ مضمون بھرا پڑا ہے۔مختصراً ارشاد صاحب محمد حسن عسکری کے تصورات کے جائزے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عسکری صاحب کا المیہ ہی یہ ہے کہ انھوں نے مغرب کو رینے گیہ وں سے جاننے کی کوشش کی ہے،جب کہ ان کا کہنا ہے کہ رینے گیہ وں کا المیہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کا تعارف ابنِ عربی سے حاصل کیا۔اور ارشاد صاحب کا کہنا ہے کہ رینے گیہ وں اسلام قبول کر لینے کے باوجود کیتھولک مذہب سے اپنے آپ کو آزاد نہ کرا سکے۔وہ آخر تک اپنے ذہن میں اس عقیدے پر راسخ رہے کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کو کیتھولک کلیسا ہی درست طور پر سمجھ سکا ہے اور کیتھولک الٰہیات (نوفلاطونیت اور پہلی صدی کی روایت) ہی وہ توحید ہے جس کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے اور چوں کہ ابن عربی کے افکار پر نوفلاطونیت اور اشراقیت کے اثرات گہرے ہیں،اس لیے رینے گیہ وں کو کیتھولک الٰہیات اور اسلام کی الٰہیات میں ایک طرح کی مماثلت نظر آئی جس کی بنیاد پر وہ اسلام اور رومن کیتھولک کلیسا کو ایک ہی مابعد الطبیعیات کا حامل سمجھتے تھے،اور

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

انھیں اسلام کے بنیادی عقائد اور کیتھولک مذہب کے اساسی عقائد کے فرق کو سمجھ ہی نہ آسکی۔ ارشاد صاحب کا خیال ہے کہ عسکری صاحب رینے گیہ . وں کے اس ذہنی پس منظر کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور یوں عیسائیوں سے مناظرے کے لیے جن باتوں کے بارے میں ہمارے علما کو مشورہ دیتے ہیں وہ خود بھی نہیں سمجھ سکے۔ ان کا خیال ہے کہ ہمارے علمانے بھی وہی باتیں دہرائی ہیں جو پروٹسٹنٹ مصنفوں نے لکھی ہیں۔ لیکن ارشاد صاحب کا کہنا ہے کہ عسکری صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ علما کو عیسائیت پر کون سے اعتراضات کرنے چاہیے وہ بھلا کیوں کر بتا سکیں گے وہ تو خود عیسائیت کو اعتراضات سے بچانے کے خواہاں ہیں ذرا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> محمد حسن عسکری یہ نہیں بتاتے کہ علما کو عیسائیت پر کس قسم کے اعتراضات کرنے چاہیں۔ اور وہ بتا بھی نہیں سکتے تھے کیوں کہ وہ عیسائیت کو اعتراضات سے بچانے کی فکر میں ہیں اور اس کے لیے علما سے دستِ تعاون طلب کر رہے ہیں۔ عیسائیت سے ان کی مراد رومن کیتھولک عیسائیت ہے اور اسی کی حمایت میں وہ مارٹن لوتھر، عقلیت پرستوں، جدیدئین، ا ۔ ۔ ہیں اور جدید فلسفے اور سائنس سے برسرپیکار ہیں...
>
> ... یہ سطور پڑھ کر بادلِ ناخواستہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ محمد حسن عسکری معاملات و مسائل کو یا تو ان کے درست تناظر میں دیکھنے کے اہل نہیں ہیں یا پھر عادی نہیں ہیں یہ سطور لکھ کر انھوں نے کونسی ایسی گنجائش باقی چھوڑی ہے جس کی بنیاد پر ان کے علم یا عقل سلیم پر شبہ کرنے سے گریز کیا جائے۔ یہ خبر شاید ان تک کبھی نہیں پہنچی کہ عہد تاریک میں بائبل پڑھنے، حتیٰ کہ اسے گھر میں رکھنے کی اجازت بھی سوائے پادریوں کے اور کسی کو نہ تھی۔ کونسل آف طولوز (۱۲۲۹ء) نے حکم جاری کیا تھا کہ جمہور عیسائی بائبل کا کوئی حصہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتے سوائے (PSALTER) اور (HOURS) کے اور اس کے چند ماہ بعد یہ چھوٹ بھی واپس لے لی گئی۔ کونسل آف ناربون نے یہ حکم جاری کیا کہ سوائے پادریوں کے اور کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ وہ بائبل یا اس کا کوئی حصہ اپنے پاس رکھے۔[۱۵]

سراج منیر، محمد ارشاد کے اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب شائستہ طور سے دیتے ہیں اور محسوس ہوتا کہ انھیں محمد ارشاد صاحب کا احترام ملحوظ خاطر ہے، وہ اعتراف کرتے ہیں کہ عسکری صاحب کی معلومات، رازی، ابن رشد، ابن سینا، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور مولانا فضل حق کے مقابلے میں خام اور سطحی ہو سکتی ہیں اور اس بات کا

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

احساس و ادراک عسکری صاحب کو بھی ہے، چناں چہ انھوں نے یونانی فکر پر جو بنیادی اعتراضات کیے ہیں وہ حضرت مجدد الف ثانی سے ماخوذ ہیں اور اس کے حوالے عسکری کی کئی ایک تحریروں سے دیکھے جاسکتے ہیں، لہٰذا وہ ارشادصاحب کے اعتراضات کا جواب پورے احترام سے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جہاں تک جدیدیت کی تاثیری نوعیت کا، یعنی اس کے مغربی گمراہیوں کا خاکہ یا مسلمانوں کی تباہیوں کا نسخہ ہونے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں کوئی نزاع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بات اس مضمون میں شامل بہت سی باتوں کی طرح محض ذوقِ مضمون آفرینی سے پھوٹتی ہے۔ میں یہاں صرف استدلال کے جواب میں استدلال اور شہادت کے مقابلے میں شہادت پیش کر رہا ہوں تاکہ ایک طرف محمد ارشاد صاحب سے مکالمے میں آسانی ہو، دوسری طرف قارئین کے سامنے پورا مسئلہ اپنی تمام جہتوں سے واضح ہو کر آجائے۔ اسی لیے میں یہاں طنزیہ، تضحیکی اور تحقیری فقروں کا جواب نہیں دے رہا ہوں۔ [۳۱]

سراج منیر کا اصرار ہے کہ ادب کی بنیاد تاریخی اور تہذیبی ہوتی ہے۔ اور ایک بات تو بہت واضح ہے کہ جس تاریخی عمل کے طور پر پاکستان وجود میں آیا، اس کی بنیادی قوت مذہب تھا۔ ان کا یہ ماننا تو ہے کہ ادب میں ایک خاص حصہ ارضی حوالوں کا بھی ہوتا ہے، لیکن یہ نظریاتی وابستگی سے مشروط ہوتے ہیں۔ وہ بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحد کو جغرافیائی رکاوٹ نہیں بلکہ ایک سیاسی حد بندی کہتے ہیں اور اسے نظریاتی تقسیم کی علامت سمجھتے ہیں جو برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے بعد سے تاریخ میں ہمیشہ سے موجود رہی اور پاکستان کے قیام کے ساتھ اس نے ایک جغرافیائی شکل بھی حاصل کر لی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس نظریاتی تقسیم کی موجودگی برصغیر میں مسلمانوں کی ایک خودمختار تہذیب کا ثبوت ہے۔ [۳۲] اس خودمختار تہذیب کے نقوش بھارت کے شہر، شہر گلی، گلی میں موجود بھی ہیں اور یہ ہماری زندہ علامتیں ہیں اس کی وجہ وہ کچھ یوں بتاتے ہیں:

> پاکستان مرجع ہے ان تمام مسلم حوالوں کا جو نہ صرف بھارت میں بلکہ پوری دنیا میں قائم ہوئے۔ دلی کی جامع مسجد ہمارے لیے اپنے اس تہذیبی عمل کا اتنا ہی زندہ استعارہ ہے، جتنا اسپین کی مسجد قرطبہ۔ ایک بات طے ہے کہ پاکستان مسلمانوں کے اس تہذیبی اور تاریخی عمل کی پیداوار ہے جو برصغیر میں ہر لمحے ہندو تہذیب اور تاریخ سے اپنا الگ اور قائم بالذات تشخص رکھتا ہے۔ اس لیے ہمارے ادب کے حوالے زمینی نہیں بلکہ اولاً تہذیبی اور

تاریخی ہیں اور اس کی ایک ایسی روایات موجود ہے جو پاکستان کو ایک تاریخی وجود کی حیثیت دیتی ہے۔[۴۱]

محمد حسن عسکری کے اختلاف کے پہلوؤں سے اگر محمد عثمان کی تنقیدی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عسکری صاحب پر براہِ راست کچھ زیادہ نہیں لکھا ہے البتہ چوں کہ وہ پاکستان میں اسلامی سوشلزم کے حامی تھے اور اکابرین یعنی سرسید، حالی، شبلی اور اقبال کے تصورات کو پاکستان کی فلاح و بہبود اور ترقی کا ضامن سمجھتے تھے۔ اور اس موضوع کو بیش تر زیرِ بحث لاتے رہے ہیں، تو دوسری جانب پاکستان میں اسلام اور اسلامی ادب کے مباحث کا آغاز محمد حسن عسکری نے کیا تھا جسے بعد ازاں ان کے مصاحبین نے بہت کچھ لکھا ہے تو ایسے مباحث میں اکثر و بیش تر عسکری صاحب اور ان کے ساتھیوں کے تصورات کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں اور مجموعی طور پر ان کے نقطۂ نظر کو رد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا ہی ان کا ایک مضمون "معاصر دل پذیر" ہے۔ اس سلسلے کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

> اردو ادب کے اس نئی جذباتی لہر کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جسے سلیم احمد اور ساتھی، حسن عسکری کے نام پر ہمارے یہاں اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حسن عسکری بڑے جذباتی اور انتہا پسند تھے۔ جذباتیت اور انتہا پسندی کے ساتھ اگر آرزومندی شامل ہو جائے تو انسان کچھ کر دکھانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے... حسن عسکری ادیب ہونے کے علاوہ انگریزی کے استاد بھی تھے (وہ چند روز اسلامیہ کالج لاہور میں میرے رفیق کار بھی رہے) اور میرا ذاتی خیال ہے کہ بڑی حد تک یہی منصب ان کے اندر علمی متانت اور مقامی سوچ کا ذمے دار تھا۔ مگر اپنی افتادِ طبع کے باعث یہاں ثابت قدمی سے ڈٹے رہنے کی بجائے وہ جلد ہی تصوف کی بھول بھلیوں اور لذت کوشیوں میں کھو گئے۔ اور چند فرانسیسی نو مسلموں اور صوفیوں کی ارادت میں جا پھنسے، جنھوں نے عمر بھر مغرب میں رہ کر تو دیکھا بھالا تھا اور پھر بغاوتاً اسلام قبول کر لیا تھا، مگر وہ پاکستان جیسے ترقی پذیر اسلامی ملک کے مسائل اور مشکلات اور تاریخی پس منظر سے قطعاً بے خبر اور لاعلم تھے۔ بس یہاں سے ہماری اور سلیم احمد کی بدقسمتی کا آغاز ہوتا ہے۔[۴۲]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
❄
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

پروفیسر محمد عثمان کے محولہ بالا اعتراضات جو انھوں نے سلیم احمد کے مضمون اور عسکری صاحب کے تصورِ روایت پر کیے اس کے جواب میں جمال پانی پتی نے ایک مضمون بہ عنوان "حق و باطل کا معانقہ" لکھا جس میں حیرت کا اظہار یہ کیا گیا کہ پروفیسر عثمان، عسکری صاحب اور سلیم احمد سے اختلاف انھیں کس طرح اپنے نظریاتی مخالف ترقی پسند محمد علی صدیقی سے اتفاق کرنے پر مجبور کر دیا کیوں کہ عثمان صاحب تو مارکس اور لینن کے بجائے سر سید، اقبال اور قائداعظم کے ماننے والے ہیں اور شاید اس وجہ سے جمال صاحب نے اپنے مضمون کے عنوان کو حق و باطل کا معانقہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں جمال پانی پتی کا ایک اقتباس درج کر کے اس بحث کو سمیٹتے ہیں کیوں کہ مزید بحث تکرار کے زمرے میں شامل ہو گی:

> پروفیسر موصوف کے نظریاتی اور دینی مسلک کا ترقی پسند یا مذہب دشمنی سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور مارکس اور لینن کی بجائے سر سید، علامہ اقبال اور قائداعظم کے ماننے والے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا اسلام ایک جدید اسلام ہے، روایتی اسلام نہیں۔ اور جہاں تک جدید اسلام کا تعلق ہے تو ہم اس کی ہر شکل کو قادیانیت، چکڑالویت اور پرویزیت کی طرح ایک پر فریب اور گمراہ کن صورت سمجھتے ہیں۔ بہر حال وہ روایت اور جدیدیت کے مسئلے پر سلیم احمد اور عسکری کے نقطۂ نظر کو رد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کو خانوں میں بانٹنے کی بجائے ہر چیز کو کھلی آنکھ سے بغیر کسی تعصب اور جانب داری کے دیکھنا چاہیے۔ جہاں حق ہو اس کا اعتراف کرنا چاہیے اور جہاں باطل ہو اس سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پروفیسر محمد عثمان کا یہ اصول بالکل صحیح ہے اور ہم اس سے پورا پورا اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے خود اپنے ہی قول کے مطابق کسی تعصب اور جانب داری کے بغیر کھلی آنکھ سے دیکھنے پر انھیں اگر کہیں جلوہ حق نظر آتا ہے تو محمد علی صدیقی کی روایت دشمنی اور ترقی پسندی میں نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ روایت کے مسئلے پر رہینے گئے۔ وں اور ان کے نقطہ نظر کے خلاف محمد علی صدیقی کے متعصبانہ اور غیر دیانت دارانہ ردعمل پر خوشی کا اظہار کرتے (ہیں)۔ [۲۷]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

فاروقی صاحب، عسکری کے تصورِ روایت کو ان کا عظیم ترین کارنامہ قرار دیتے ہیں، کہ انھوں نے روایت کے معنی و مفہوم ہی یکسر بدل کر رکھ دیے۔ جس چیز کو ہم روایت سمجھتے تھے؛ وہاں انھوں نے قطعی ایک نیا تصور قائم کر دیا جو ان کے خیالات میں مکمل درست اور میری نظر میں بڑی حد تک درست تعریف ہے۔ مثلاً روایت کے بارے میں یہ تصور کہ روایت بدل جاتی ہے، پرانی ہو جاتی ہے۔ سرور صاحب کے ہاں، جناب احتشام کے ہاں، سب کے یہاں یہ خیال مل جاتا ہے کہ روایت پرانی سی شئے ہے جو کسی وقت پیدا ہوئی ہو گی کبھی قدیم زمانے میں۔ اسے کد ِ یوں نے اختیار کیا ہو گا، اور کد یوں پر اثر انداز ہوئی ہو گی۔ لیکن زمانہ اور وقت بدلنے کے ساتھ یہ بدلی نہیں بلکہ جامد ہو کر ٹھہر گئی ہو گی۔ مطلب اس کی ذات میں کچھ عیب ہیں وغیرہ اور عسکری سے پہلے لوگ روایت کو یا تو مسترد کرتے آئے ہیں جیسے اختر حسین رائے پوری، یا ترقی پسندوں کا کہنا تھا کہ روایت کے صالح حصے کو تو ہم قبول کرتے ہیں لیکن غیر صالح کو ہم چھوڑ دیں۔ اب مسئلہ یہ بھی تھا کہ صالح یا غیر صالح اور فاسد اور غیر فاسد میں کوئی واضح فرق بھی ان کے ہاں نہیں ملتا تھا۔

لیکن عسکری کی عظمت یہی ہے کہ وہ عام رائے کے برعکس کہتے ہیں کہ "روایت ایک زندہ اور متحرک چیز ہے۔" یہ ہمیشہ ادب کے اندر قائم رہتی ہے، یہ ایک shameless whole ہے اور اسے پورا پورا قبول کرنا پڑتا ہے۔ عسکری روایت کو synchronic چیز سمجھتے ہیں۔ یہ ہمیشہ قائم رہتی ہے اور ہر زمانے میں موجود رہتی ہے۔ دوسری اہم بات جو اس سلسلے میں عسکری نے بتائی ہے کہ روایت کی اصل زبانی بیانات میں ہے، تحریر میں نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں کہ جو چیز کہ زبان پر رواں رہتی ہے، جاری ہوتی ہے، اس سے روایت بنتی ہے، کیوں کہ اس میں تحریر کی سی غلطی ہونے کا امکان کم ہوتا ہے اور اگر کسی نے غلط تقریر کی بھی تو اس کو درست کر لیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس بات کو عام طور پر غلط خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے پیچھے افلاطون کا یہ خیال کام کر رہا ہے کہ " اگر متن لکھا ہوا ہو تو اس میں اصلاح کی صلاحیت یا طاقت باقی نہیں رہتی۔ اس کے برعکس زبانی معاملہ ہو تو وہ اپنی اصلاح یا تنسیخ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ فاروقی صاحب کہتے ہیں تو یہ بات ہمیں عسکری صاحب نے آ کر باور کرائی کہ تحریری روایت گو کتنی پر زور معلوم ہوتی ہے مگر وہ اپنی اصلاح کرنے سے عاجز ہے تو یقین مانیے حقیقی روایت وہی ہے جو بذریعہ زبانی رائج ہوئی ہو اور ایک سے دوسرے آدمی تک پہنچی ہو۔ فاروقی صاحب کے مطابق محمد حسن عسکری کا بڑا کارنامہ ہی یہی ہے کہ انھوں نے روایت کا تصور پورے کا پورا ہی بدل دیا ہے۔"[۱۸]

شمیم حنفی صاحب دبستانِ عسکری فکر کے ناقدین میں شمار ہوتے ہیں، بلاشبہ وہ اس فکر کے نمائندے ہیں ہم انھیں شمس الرحمٰن فاروقی کی سوچ سے زیادہ قریب پاتے ہیں اور فاروقی صاحب کے بغیر تو دبستانِ عسکری کا ذکر

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

مکمل نہیں ہو سکتا۔ شمیم حنفی پر عسکری صاحب کے اسلوب کے اثرات نمایاں ہیں۔ وہ ادب میں مضمون سے پہلے زبان و بیان کی اہمیت کے قائل ہیں۔ انھیں ترقی پسند تحریک کے ادبا کی غیر ضروری نظریات کی ترویج بھی غیر ادبی چیز محسوس ہوتی ہے۔ ہم ان کے ادبی نقطۂ نظر پر بحث کرنے سے قبل یہ دیکھ لیتے ہیں کہ وہ عسکری صاحب کی فکر اور تنقیدی کاوشوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے ایک مضمون "کچھ عسکری صاحب کے بارے میں" جن خصوصیات کا ذکر حنفی صاحب نے کیا ہے انھیں ہم ملخص کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حنفی صاحب بتاتے ہیں کہ محمد حسن عسکری کو مختلف علوم پر قدرت رکھنے والے باخبر نقاد ہیں جن کا ہم پلہ کوئی ادیب ڈھونڈے سے نہ ملے گا۔ حسن عسکری نے پیچیدہ، گہرے اور بلیغ تجربات بڑی حیرت خیز سہولت شفافیت اور اعتماد کے ساتھ سمجھا ہی نہیں بلکہ اردو والوں کو سمجھایا بھی ہے۔ عسکری صاحب نے اپنی ادبی روایت اور فنی اقدار کا جس وسیع تناظر میں تجزیہ پیش کیا ہے وہاں سارے امتیازات چاہے وہ علاقائی یا نسلی ہوں تہذیبی یا لسانی ہوں حقیقت میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود عسکری صاحب نے مشرق کی تہذیبی اور ذہنی انفرادیت کی برتری کو پوری شدومد سے بیان کیا کہ مشرق کی روایت ایک جداگانہ اہمیت کی حامل ٹھہری۔ یوں عسکری کو صاحب کو ہمارے معاصرین میں اپنی روایت کا سب سے بڑا مفسر اور عارف قرار دینا نامناسب نہ ہوگا۔''[۱۹]

سجاد باقر رضوی بھی عسکری صاحب کے تصورِ روایت کے حامی شمار ہوتے ہیں باقر صاحب اپنے مضامین میں اپنی سابقہ تہذیبی روایات سے استفادے پر زور دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا ذیل میں دیا گیا اقتباس بھی پڑھنے لائق ہے:

> پچھلی روایات کی طرف جانے اور اپنے پرانے طرزِ اظہار کو کھنگالنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنی تہذیبی بنیادوں کو ڈھونڈ رہے ہیں اور انھیں استوار کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ کہ ہم اپنے جذباتی پیمانوں کو پہچان رہے ہیں۔ ان کی شناخت کر رہے ہیں اور یہی شناخت خود شناسی کے مترادف ہے۔ نئے طرزِ اظہار اور مغرب کی نقالی کے معنی یہ ہیں کہ ہم حیران کرنے کی، چونکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس حیرانی میں ہم اس طرح کھو گئے ہیں کہ اب ہم یہ بھی بھول گئے ہیں کہ محبت و نفرت کا اظہار کس طرح کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے جذبات و احساسات کی شناخت تک باقی نہیں ہے۔ اور اس طرح ہم اپنے آپ کو بھولتے جا رہے ہیں۔[۲۰]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

حواشی

۱۔ محمد حسن عسکری، مشرق اور مغرب کی آویزش، مشمولہ مجموعہ حسن عسکری، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص۵۳۹
۲۔ ایضاً، ص ۵۳۷ تا ۵۳۸
۳۔ ایضاً، روایت کیا ہے؟، مشمولہ مجموعہ حسن عسکری، ص ۶۳۵
۴۔ ایضاً، خط بنام شمس الرحمن فاروقی، مشمولہ مکاتیب عسکری، مرتبہ شیما مجید، (لاہور: القمر انٹرپرائزز، س ن)، ص ۱۱
۵۔ ایضاً، روایت کیا ہے؟، ص ۶۳۸
۶۔ ایضاً، ص ۶۳۹
۷۔ ایضاً، ص ۶۳۹
۸۔ ایضاً، اردو ادب کی روایت کیا ہے؟ مشمولہ مجموعہ حسن عسکری، ص ۶۴۵
۹۔ ممتاز حسین، ادب، روایت، جدت اور جدیدیت، مشمولہ نقد حرف، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۱۴
۱۰۔ شہزاد منظر، محمد حسن عسکری (تنقیدی مطالعہ)، (کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۵۰۸،۵۰۷
۱۱۔ محمد ارشاد، روایت اور جدیدیت: ایک جائزہ، مشمولہ: فنون، شمارہ ۱۷، فروری، مارچ ۱۹۸۲ء ص ۳۸،۳۷
۱۲۔ سراج منیر، جدیدیت: چند تصریحات، مشمولہ مقالات سراج منیر، مرتب، محمد سہیل عمر، (کراچی، اکادمی بازیافت، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۵۵
۱۳۔ ایضاً، پاکستانی تشخص کے حوالے سے چند باتیں، ایضاً، ص ۶۵۷
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ محمد ارشاد، روایت اور جدیدیت: ایک جائزہ، ص ۴۸،۴۷
۱۶۔ پروفیسر محمد عثمان، معاصر دل پذیر، مشمولہ فنون، شمارہ ۱۱۴ اگست ۱۹۸۰ء ص ۳۹
۱۷۔ جمال پانی پتی، جدیدیت اور جدیدیت کی ابلیسیت، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۶۴
۱۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی، دیباچہ غرۃ الکمال کا اردو ترجمہ، مشمولہ صورت و معنی سخن، (کراچی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۰۰
۱۹۔ شمیم حنفی، کچھ عسکری صاحب کے بارے میں، مشمولہ تاریخ، تہذیب اور تخلیقی تجربہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۴۶،۲۴۵
۲۰۔ سجاد باقر رضوی، آج کا طرز احساس، مشمولہ تہذیب و تخلیق، (لاہور، مکتبہ ادب جدید، ۱۹۶۶ء)، ص ۱۲۷

مآخذ

۱۔ پانی پتی، جمال، جدیدیت اور جدیدیت کی ابلیسیت، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۵ء

Bi-Annual URDU ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۔ حسین، ممتاز، نقد حرف، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۵ء
۳۔ حنفی، شمیم، تاریخ، تہذیب اور تخلیقی تجربہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء
۴۔ رضوی، سجاد باقر، تہذیب و تخلیق، لاہور: مکتبہ ادب جدید، ۱۹۶۶ء
۵۔ عسکری، محمد حسن، مجموعہ حسن عسکری، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء
۷۔ ____، خط بنام شمس الرحمن فاروقی، مشمولہ مکاتیب عسکری، مرتبہ شیما مجید، لاہور: القمر انٹرپرائزز، س ن
۸۔ فاروقی، شمس الرحمٰن، صورت و معنی سخن، کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء
۹۔ منظر، شہزاد، محمد حسن عسکری (تنقیدی مطالعہ)، کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء
۱۰۔ منیر، سراج، مقالات سراج منیر، مرتب، محمد سہیل عمر، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۰ء

رسائل و جرائد

۱۔ فنون، شمارہ ۱۷، فروری، مارچ ۱۹۸۲ء
۲۔ ____، شمارہ ۱۱۴ اگست ۱۹۸۰ء

Bibliography:

1. Panipati, Jamal, *Jadidiyat aur Jadidiyat ki Iblisiyat*, Karachi: Academy Bazyaft, 2005
2. Hanafi, Shamim, *Tareekh, Tehzib aur Takhliqi Tajarba*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006.
3. Hussain, Mumtaz, *Naqd-e-Harf*, New Delhi: Maktaba-e-Jamia Ltd., 1985
4. Rizvi, Sajjad Baqar, *Tehzib-o-Takhliq*, Lahore: Maktaba Adab-e-Jadeed
5. Askari, Muhammad Hasan, *Majmua-e-Askari*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008.
6. ____, *Letter to Shams-ur-Rahman Faruqi* in *Makateeb-e-Askari*, Compiled by Sheema Majeed, Lahore: Al-Qamar Enterprises, n.d.
7. Faruqi, Shams-ur-Rahman, *Soorat-o-Ma'ani-e-Sukhan*, Karachi: Oxford University Press, 2011.
8. Manzar, Shahzad, *Muhammad Hasan Askari (Tanqidi Mutala)*, Karachi: Rang-e-Adab Publications, 2012.
9. Munir, Siraj, *Maqalat-e-Siraj Munir*, Compiled by Muhammad Suhail Umar, Karachi: Academy Bazyaft, 2010.